دلآویز اور دلنواز شخصیت

جن کے تصور سے اس ظلمت بھرے دور میں دل کو ڈھارس اور قلب کو تقویت محسوس ہوتی تھی

حضرت العلامہ مولانا محمد تقی عثمانی، جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان

ابھی شہید مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کا حادثۂ وفات تازہ تھا، اور ان کے بارے میں تفصیلی تاثرات لکھ کر فارغ ہوا تھا، اور وہ زیر کتابت تھے کہ ایک اور جانکاہ حادثے کی خبر نے ہلکان کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، اس ملک کی ان گرانقدر شخصیتوں میں سے تھے جن کے تصور سے اس ظلمت بھرے دور میں دل کو ڈھارس اور قلب کو تقویت محسوس ہوتی تھی، اور جن کے خیال سے اپنے عہد کے افلاس کا احساس کم ہوتا تھا۔ آج ہم اس دلآویز اور دلنواز شخصیت اور ان کی برکات سے بھی محروم ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی ذات والا صفات یادگارِ سلف تھی، علم و فضل اور طہارت و تقویٰ کے اوجِ کمال پر فائز ہونے کے باوجود سادگی اور تواضع و انکسار کا ایسا پیکرِ مجسّم تھے کہ عُجب و پندار کے اس دور میں اس کی نظیر ملنی مُشکل ہے، ان کا پُرنور چہرہ دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، ان کی صحبت میں رہ کر قلب میں گداز اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی، اور محسوس ہوتا تھا کہ ہم سلفِ صالحین کے کسی بزرگ کی صحبت سے فیضیاب ہیں۔

طبعی طور پر حضرت موصوفؒ درس و تدریس اور علمی و تبلیغی مشاغل کے بزرگ تھے، سیاست اور راسٹیج کے نہیں۔ لیکن ایک دردمند صاحبِ دل کی طرح ملک و ملت کی فکر اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کی لگن بھی ان کی حیات طیبہ کا جزوِ لاینفک بن گئی تھی۔ چنانچہ اس لگن کی بنا پر انہوں نے اپنا گوشۂ عزلت چھوڑ کر ملک کے سیاسی معاملات میں بھی فعال حصّہ لیا۔ لیکن یہ سب کچھ دین اور صرف دین کے لیے تھا۔

حضرتؒ ایک طویل عرصے تک قومی اسمبلی کے رکن رہے۔ آپؒ آجکل کی انتخابی سیاست کے داؤ پیچ سے کوسوں دور تھے، اور ووٹ حاصل کرنے کے لیے جو ترکیبیں آج کی انتخابی سیاست کے لیے لازمی حیثیت رکھتی ہیں، ان سے بھی آپؒ کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن محض اپنے اخلاص للّٰہیت اور علم و تقویٰ کی بنا پر آپ اپنے حلقۂ انتخاب میں وہ مقبولیت عامہ رکھتے تھے کہ پے در پے کئی انتخابات میں آپ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتے، اور اپنے مقابل بڑے بڑے سیاسی پہلوانوں کو زیر کیا۔ ایک مرتبہ تو صوبۂ سرحد کا وزیرِ اعلیٰ بھی آپ کے مقابلہ میں ناکام ہوا۔

اسمبلی میں آپ کی جد و جہد کا محور بھی صرف دین اور خالصتہً دین رہا، آپ معاصر سیاست کے ان کاموں میں کبھی نہیں الجھے جو اپنی کوشش کے اس بنیادی نقطے سے آپ کو ہٹا سکیں، حق کے اس بندے نے اسمبلی میں ہمیشہ حق کی آواز بلند کی، اور ہمیشہ حق کا ساتھ دیا اور محض سیاسی بنیاد پر بنی ہوئی دھڑے بندیوں میں اپنے آپ کو ملوث نہیں ہونے دیا اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی شخصیت ان چند گنی چنی شخصیتوں میں سے تھی جن کی مقبولیت اور جن کا حلقہ اثر حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی تفریق سے ناآشنا تھا۔

ملک میں جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس کا تعلق دین سے ہو، حضرت مولانا نے اسمبلی میں اس سے متعلق خالص دینی نقطۂ نظر سے اپنا موقف واضح کیا۔ حضرت نے اسمبلی میں جو تقریریں فرمائیں، یا جو تحریکیں پیش کیں، ان میں سے کچھ کا ریکارڈ آپ کے فاضل صاحبزادے جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک کتاب میں مرتب فرما دیا ہے جو "قومی اسمبلی میں اسلام کے معرکہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

حضرتؒ ہمارے ملک میں مسلکِ علماء دیوبند کے علمبرداروں میں سے تھے، اور اپنے عقیدہ و عمل میں پورا رسوخ رکھتے تھے، لیکن اس رسوخ اور تصلب کے باوجود آپ نے کبھی اپنے آپ کو فرقہ واریت میں ملوث نہیں ہونے دیا۔ آپؒ نے ہر اختلاف کو اختلاف کی حدود میں رکھنے کا وہ معتدل طریقہ اپنایا جو درحقیقت اکابر علماءِ دیوبند کا بنیادی وصف ہے۔ اپنے مسلک و مشرب کو مضبوطی سے تھامنے کے ساتھ ساتھ دین کے بلند اور مشترک مقاصد کے لیے دوسرے مکاتبِ فکر سے اشتراکِ عمل بھی جاری رہا، اور کوئی مخالف سے مخالف شخص بھی آپ پر فرقہ وارانہ تعصب کی تہمت نہیں لگا سکا۔

اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات ملک کے تمام دینی حلقوں کی نظر میں اپنے اخلاص و تقویٰ کی بنا پر ایک محترم مقام رکھتی تھی، اور آپ کی معیت پر مختلف مکاتب فکر اور متحارب گروہ جمع ہو جایا کرتے تھے۔

چنانچہ حال ہی میں "شریعت بل" منظور کرانے کی جدوجہد کے لیے ملک بھر کے مختلف الخیال عناصر کا جو "متحدہ شریعت محاذ" بنایا گیا، اس کا سربراہ آپ ہی کو چنا گیا۔ اب ملک کے علماء میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جس پر مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس طرح بے کھٹکے متفق ہو جائیں۔

حضرتؒ علمی میدان میں، جو آپ کا اصل میدان تھا، دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے علم و فضل کے امین تھے۔ آپ نے اکوڑہ خٹک جیسے دور افتادہ قصبے میں "دارالعلوم حقانیہ" کی بنیاد ڈالی جو رفتہ رفتہ ملک کے ممتاز ترین دینی مدارس میں اعلیٰ مقام کا حامل بنا، آپ نے اس دارالعلوم کو خونِ جگر پلا کر پروان چڑھایا، اور آخر وقت تک اس میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ اسمبلی کی گمبھیر مصروفیات کے عین درمیان بھی تدریسِ حدیث کا یہ مبارک مشغلہ موقوف نہیں ہوا۔ آپ اکوڑہ خٹک سے اسلام آباد تک کا طویل فاصلہ کار میں، بلکہ بسا اوقات بسوں اور ویگنوں میں طے کر کے اپنے دونوں فرائض بحسن و خوبی نبھاتے رہے، اور اس کام کے لیے بڑھاپے کے دور میں جو مشقتیں آپ نے اٹھائیں، وہ ہم جیسے جوانوں کے لیے حیرت انگیز تھیں۔

آپ کا دورۂ حدیث کا درس ملک کے ممتاز ترین دروس میں سے تھا جس میں ہر سال طلبہ کی تعداد سینکڑوں میں ہوا کرتی تھی، چنانچہ آپ کے شاگردوں کا سلسلہ چار دانگِ عالم میں پھیلا ہوا ہے، آپ کے درسِ ترمذی کی تقریر کا ایک حصہ "حقائق السنن" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس سے آپ کے درس کی عظمت، ہمہ گیری اور معیارِ تحقیق کا اندازہ ہو سکتا ہے خدا کرے کہ یہ تقریر مکمل طور پر شائع ہو جائے تو معلومات کا بیش بہا خزانہ ثابت ہوگی۔

آپ آخر وقت تک اکوڑہ خٹک کے ایک اندرونی محلے میں ایک نیم پختہ سے مکان میں مقیم رہے، اور اسی کے متصل ایک مسجد میں جہاں ابتداء میں دارالعلوم حقانیہ کا آغاز ہوا تھا، جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ آپ کا یہ خطبۂ جمعہ بھی انتہائی مفید اور مقبول تھا، اس کا خلاصہ ماہنامہ "الحق" میں ہر مہینے شائع ہوتا رہا ہے۔

جہادِ افغانستان شروع ہوا تو ملک کے تمام دینی مدارس میں سے دارالعلوم حقانیہ غالباً وہ پہلا مدرسہ تھا جس کے فضلاء نے حضرت مولاناؒ کے زیر ہدایت اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔

راقم الحروف کے ساتھ حضرت مولانا کا مشفقانہ تعلق لفظ و بیان سے ماوراء تھا۔ ان کی خدمت و صحبت میں پہنچ کر شفقتِ پدری کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ پہلے پہل احقر کو ان کی زیارت کا موقع ۱۹۵۱ء میں ملا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے ملک میں اسلامی دستور کے لیے جدوجہد کرنے کی خاطر جمعیۃ علماء اسلام کو منظم کرنے کے لیے کراچی سے پشاور تک کا طوفانی دورہ کیا، اس دورے میں آپ کے ساتھ حضرت مولانا محمد متین خطیب رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، برادر محترم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور احقر بھی آپ کے ہمراہ رہے۔ اس موقع پر اکوڑہ خٹک میں قیام حضرت مولانا کے مدرسے میں ہوا، وہیں پہلی بار آپ کی زیارت ہوئی، اور پہلی ہی زیارت میں دل پر یہ تاثر قائم ہوا کہ گویا دنیا ہی میں کسی فرشتے کی زیارت ہو رہی ہے۔ سرخ و سفید نورانی چہرہ، چہرے پر بلا کی معصومیت گفتگو سے پھول جھڑتے ہوئے، انداز و ادا میں وہ نورانیت کہ جیسے اس دنیا کے دوں کی آلائشوں سے دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ یہ حسین اور منور چہرہ اسی وقت سے دل پر نقش ہو گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بارہا حضرتؒ کی زیارت و صحبت کے مواقع نصیب فرمائے، اور ہر بار یہ نقش گہرا ہوتا چلا گیا۔ حضرتؒ کے لائق و فاضل فرزند جناب مولانا سمیع الحق صاحب سے احقر کے بے تکلف برادرانہ تعلق کی وجہ سے حضرت اس ناکارہ پر بھی ایسی ہی شفقت فرماتے جیسے اولاد پر ہوتی ہے، اور ان کے سایۂ شفقت میں پہنچ کر دل کو ایک عجیب سکینت ہوتی تھی۔

علم و فضل کے دریا جذب کر لینے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی البیلی ادا ہمارے بزرگوں کا طرۂ امتیاز رہی ہے، اور یہ وصف حضرت مولاناؒ میں اس درجہ زیادہ تھا کہ بعض اوقات حیرت ہو جاتی تھی، اور مخاطب شرم سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔

غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے، بھٹو صاحب مرحوم کا دورِ حکومت تھا، اور اسمبلی میں ۱۹۷۳ء والے دستور کا مسودہ زیر بحث تھا، حضرت مولاناؒ قومی اسمبلی کے رکن تھے، میرے پاس برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب کا خط آیا کہ حضرت مولاناؒ شرعی نقطۂ نظر سے مسودۂ دستور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، تاکہ اس میں ترمیمات پیش کر سکیں۔ حضرتؒ کا خیال ہے کہ اگر اس موقع پر تم بھی آ جاؤ تو یہ کام مل جل کر کر لیا جائے۔ احقر کو یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ حضرتؒ کو واقعۃً اس کام کے لیے میری ضرورت ہے، بلکہ زیادہ خیال یہ تھا کہ یہ مولانا سمیع الحق صاحبؒ نے "تقریب بہر ملاقات" پیدا کرنے کا ایک لطیف حیلہ ایجاد کیا ہے۔ لیکن حضرت کی شفقت سے بہرہ ور ہونے اور ان کے کسی کارِ خیر میں برائے نام ہی سہی حصہ لگانے کو سعادت سمجھ کر احقر چلا گیا۔

میں جب اسلام آباد پہنچا تو اسمبلی کا اجلاس جاری تھا، برادرِ محترم مولانا سمیع الحق کے ہمراہ میں اسمبلی کی گیلری میں چلا گیا جہاں سے اسمبلی کی کارروائی دیکھی جاتی ہے۔ حضرت نے کچھ دیر بعد پیچھے

گیلری کی طرف نگاہ اٹھائی، اور مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ احقر کو بیٹھے دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل آئے، اور ہمیں بھی باہر آنے کا اشارہ فرمایا۔ ہم باہر پہنچے تو حضرت نے گلے لگا لیا، اور احقر کو جو اُن کی اولاد اور شاگردوں کے برابر ہے آنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا تھا، خطاب کرتے ہوئے بے ساختہ جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا کہ "حضرت آپ نے بڑی شفقت فرمائی"۔

میں حضرتؒ کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا الفاظ کس سے کہہ رہے ہیں؟ لیکن وہاں کسی تصنع یا تکلف کا نام ہی نہ تھا، وہ ایسے انداز سے بات کر رہے تھے جیسے میں نے ان کی خدمت میں حاضری دے کر ان کی کوئی ضرورت پوری کی ہے۔ اللہ اکبر! تواضع کا یہ مقام خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

الحمدللہ، اس کے بعد بھی بارہا حضرتؒ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اور ہمیشہ "مَن تواضع للّٰہ الخ" کا نظارہ سامنے آیا۔

اب سالہا سال سے میں جب کبھی کسی اجتماعی دینی کام کا تصور کرتا تو سب سے پہلے نظر حضرت مولاناؒ کی طرف جاتی تھی؛ عرصۂ دراز سے حضرت علیل چلے آتے تھے اور ضعف و علالت کے باوجود اپنی غیر معمولی ہمت اور قوتِ ایمانی سے کام لے کر اپنے آپ کو متحرک اور فعال بنائے رکھتے تھے، لیکن صحت کے انحطاط کو دیکھتے ہوئے یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ کسی بھی وقت داغِ مفارقت دے سکتا ہے۔ بالآخر یہ خطرہ اس ماہ حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ حضرت اس دنیا کے الجھیڑوں سے فراغت پاکر اپنے مالکِ حقیقی سے جا کر ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

حضرت مولاناؒ اپنی زندگی علم وعمل کے ہر میدان میں قابلِ رشک طریقے سے گزار گئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اُن کی نئی زندگی راحت و اطمینان کی زندگی ہوگی، لیکن ان جیسی شخصیات کے اٹھنے سے ہم پسماندگان کے لیے جو مہیب خلاء پیدا ہوتا ہے، وہ بڑی مشکل سے پُر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان کے تربیت یافتگان بیشمار ہیں، خاص طور پر ان کے فاضل فرزند برادرِ محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصی صحبت و تربیت سے سرفراز فرمایا ہے، وہ عالمِ شعور میں آنے کے بعد ان کی جدوجہد کے ہر مرحلے میں ان کے دست و بازو بنے رہے ہیں ان شاء اللہ وہ اُن کی زندگی کے مشن کو جاری و ساری رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی توفیقِ خاص سے نوازیں، اور ان کے کندھوں پر جو گراں بار ذمہ داریاں آگئی ہیں، ان سے اپنی رضائے کاملہ کے مطابق عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرتؒ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی خواہش تھی، لیکن اطلاع ایسے وقت ملی کہ میں یہ سعادت حاصل نہ کر سکا۔ لیکن جو حضرات اس نماز جنازہ میں شریک ہوئے، ان کا بیان ہے کہ کسی کی نمازِ جنازہ میں علماء کا اتنا بڑا اجتماع پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

الحمدللہ، دارالعلوم کے تمام اساتذہ و طلبہ نے اسباق کی تعطیل کر کے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ حضرتؒ کی روح پر فتوح پر ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ حضرتؒ کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کو خود اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیں ؎

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
فضلِ حق تیری لحد پر رحمت افشانی کرے

محمد تقی عثمانی

جانے والے! تو مسیحا بن کے آجا ایک بار

چند اشعار بیادِ مرحوم و مغفور قائدِ شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

جناب عبدالعزیز چشتی، شورکوٹ

تیری یادوں کے سہارے اب جیئے جاتا ہوں میں
کھا رہا ہوں غم پہ غم آنسو پیئے جاتا ہوں میں
تیری الفت ہے رگ و پے میں سما کر رہ گئی
مجھ کو اپنا ہوش کیا ہو؟ کیا کیئے جاتا ہوں میں
اشک بار آنکھوں سے میری خون کے دریا رواں
دل کے زخموں کو محبت سے سیئے جاتا ہوں میں
جانے والے! تو مسیحا بن کے آجا ایک بار
ہر قدم پر نام تیرا ہی لیے جاتا ہوں میں
چشتی! تیرا رہنما تھا اور محسن تھا ترا
معرفت کے جام لے کر پیئے جاتا ہوں میں